شمار کر لیا گیا۔

ہا جسن کا کہنا ہے کہ اس کے برعکس جتنی اسلام کی اشاعت اس دَور میں ہوئی، وہ اس سے قبل نہیں ہوئی، اور یہ اشاعت حکمران مسلمانوں کے زیر اثر نہیں بلکہ اصحاب دل صوفیہ کے ہاتھوں ہوئی۔ جو ان علاقوں میں اسلام لے گئے جہاں حریف مذہب زیادہ طاقت ور تھا، اور آج تک اسلام ان علاقوں میں پورے اعتماد اور عزم کے ساتھ بڑھ رہا ہے اور بہت حد تک اسلام نے ان علاقوں میں پہنچ کر جو ماضی کے خول کو توڑ دینے کے رجحانات پیدا کئے تھے، وہ ان علاقوں کی جدید زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

یہ تو تھی دو کاٹوں کی کہانی اور میرے خیال میں تیسری کاٹ شاید خلافتِ عثمانیہ کے اختتام پر سمجھ لی گئی، اور سیکولرزم کو اسلام کا حریف قرار دے کر مفروضہ زوال کے ایک نئے دَور کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ اگر غور سے دیکھئے تو یہ ان لوگوں کے مفروضے ہیں جو ایک عرصے تک ایک خاص روشنی میں رہتے رہتے نئی روشنی آنے پر اُن کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ حالاں کہ جیسے انہوں نے عربوں کے بعد خلافتِ عثمانیہ کو قبول کیا تھا ایسے ہی اُسے بھی قبول کر لینا چاہیئے۔

اگر یہ لوگ اسلامی تہذیب کو ایک جان دار تہذیب مان لیں تو شاید ان کی پریشانیاں کم ہو جائیں۔

خالد

۹۔مئی، مانٹریال (کینیڈا)

ہمارے علمار کرام :۔

علمار کے طبقے کو دیکھئے ــــ تو اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دین جیسا کچھ اور جتنا کچھ آج موجود ہے وہ انہی کے دم سے اور انہی کی کوششوں کی بدولت ہے، ــــ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس حلقے میں کہیں کہیں علم وعرفان کی شمعیں بھی روشن ہیں، اور ایمان و ایقان کی مشعلیں بھی۔ اور ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اصحاب علم بھی ہیں اور اربابِ عمل بھی، جن کی گفتار قلوب میں گداز پیدا کرنے والی اور کردار لوگوں کے لئے عزیمت کا سامان مہیا کرنے والا ہے ــــ لیکن یہ بھی ایک دردناک حقیقت ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور علماء کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ نہ دلوں میں ایمان کی شمع ایسی روشن ہے کہ ماحول کو منور کر سکے۔ نہ اخلاق و اعمال اس درجے کے ہیں کہ لوگوں کے دلوں

میں گھر کر سکیں۔ تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس ان کی ایک بڑی اکثریت کا پیشہ بن کر رہ گیا ہے اور بڑے بڑے دارالعلوموں میں یہ افسوس ناک اور تکلیف دہ صورتِ حال نظر آتی ہے کہ پیشہ ورانہ چشمک اور رقابت و حسد — اور آپس کے جھگڑوں اور منافشوں کے اعتبار سے وہ خالص دنیادار اداروں سے کسی طرح مختلف نہیں۔

رہی یہ کمی کہ ان کی ایک بڑی اکثریت موجودہ دنیا کے علوم و فنون سے بیگانۂ محض ہے۔ تو اس کا ذکر تحصیل حاصل ہے! اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ علماء کا اثر معاشرے کے طبقہ متوسط کے بھی صرف نصفِ ادنیٰ تک ہی پہنچ پاتا ہے اور موجودہ معاشرے میں ان کی حیثیت زندگی کی اصل منجدھار سے کٹی ہوئی ایک علیحدہ شاخ سے زیادہ کچھ نہیں! —

ہماری قومی زندگی کا دھارا پورے زور شور سے ایک خاص سمت میں بہہ رہا ہے۔ اور تا حال مذہبی طاقتیں اس پر کسی قسم کا کوئی اثر ڈالنے اور اس کے رُخ کو تبدیل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ دوسری طرف ملکی حکومت کو ہر آن نئی مشکلات و مسائل کا سامنا ہے۔ اور بین الاقوامی سیاست کے بدلتے ہوئے رنگ اور بڑی طاقتوں کی بدلتی ہوئی حکمت عملی سے صاف اندازہ ہو رہا ہے کہ مستقبل قریب میں پاکستان کو اپنی سالمیت کے تحفظ کے لئے بڑی کٹھن مشقت و ریاضت کرنی ہوگی، اور بڑے نامساعد حالات سے گزرنا ہوگا۔ ان حالات میں اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ اگر مذہبی حلقوں کی نری سیاسی نعرہ بازی اور محض منفی مدافعت و مخالفت کی حالیہ روش برقرار رہی اور کوئی زبردست مثبت دینی دعوت ایسی نہ اٹھی جو ذہنوں کو مفتوح اور قلوب کو مسخر کر سکے تو کسی مشکل وقت میں اعصاب کا تناؤ ایسی صورت پیدا نہ کر دے کہ پھر اسلام کا نام لینا بھی مشکل ہو جائے — !

(ماہنامہ "میثاق" لاہور، مئی ۱۹۶۷ء)

طابع: ظہیر الدین　　مطبع: استقلال پریس لاہور
ناشر: ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، راولپنڈی۔